لبِ فریادؔ

علامہ لطیف انورؔ

مکتبہ انور ۔ لاہور

لبِ فریاد

علامہ لطیف انور

(ناشر)

محمود انور قاضی — مکتبۂ انور

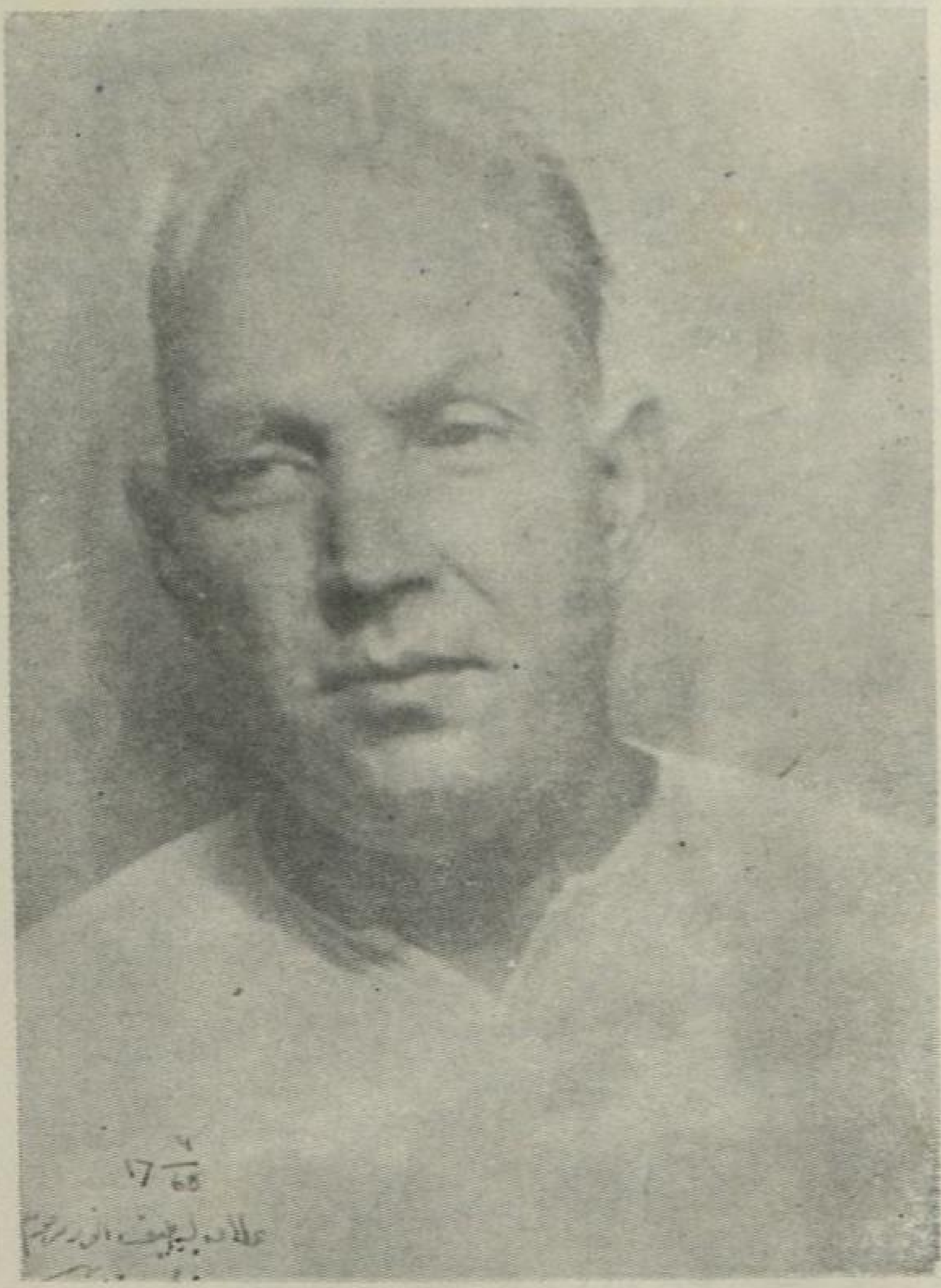
۶۵-بی گورنمنٹ کوارٹر چوبرجی - ملتان روڈ - لاہور

- نام کتاب :- لبِ فریاد
- مصنف :- علّامہ لطیف انور
- ناشر :- محمود انور قاضی
- بار اوّل :- ایک ہزار
- قیمت :- دس روپے
- تاریخ طباعت :- یکم جون ۱۹۷۶ء
- کتابت :- مشاہد حسین رضوی۔ ادارہ فروغِ کتابت لاہور
- مطبوعہ :-

(سول ایجنٹ)

سندھ ساگر اکادمی - زیرِ مسلم مسجد - چوک انار کلی - لاہور

بہ سلسلۂ از مطبوعات علامہ لطیف انور



علامہ لطیف انور

"پہلا پتھر کون مارے گا مجھے"

علامہ لطیف انور کی وفاتِ حسرت آیات کو آٹھ برس گزر چکے ہیں۔ اس مدت میں شعر و سخن میں کئی تبدیلیاں آئیں ——— نئے نئے تجربے ہوئے۔ نئے نئے انداز اور اسلوب اپنائے گئے ——— مگر یہ حقیقت ہے کہ علامہ لطیف انور مرحوم کے شعر جن جن، سینوں میں موجود ہیں وہ بدستور زندہ جاوید ہیں اور یہی کسی بڑے اور مؤثر شاعر کے فن کی عظمت ہوتی ہے ——!

علامہ مرحوم سے میرے تعلقات نیاز مندانہ تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ میں اُن کے کلامِ بلاغت نظام اور اُن کی درویشانہ شخصیت و سیرت پر کچھ لکھوں، جسے وہ اپنے دیوان کے ساتھ طبع کرائیں۔ میں نے، اپنی کم علمی کے باعث معذرت کر دی۔ مگر علامہ مرحوم کا اصرار بڑھتا ہی گیا۔ آخر میں نے ان کے فن اور شخصیت پر ایک مختصر سا مضمون لکھا جو ۲، جنوری ۱۹۶۷ء کو لاہور کے ہفت روزہ "قندیل" میں شائع ہو گیا۔ علامہ مرحوم کا ایک دیوان میرے پاس تھا جو کہ اُن کی امانت تھی اور جب مجھے ان کی بے وقت موت کی اطلاع ملی تو میں سخت پریشان ہوا۔ کیونکہ اُردو زبان کا ایک عظیم شاعر اُردو صحافت کا نامور صحافی اور خاموش قومی کارکن نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ ان کا کلام میرے پاس پڑا تھا۔ میں ان کے عزیزوں اور لواحقین سے ناواقف تھا چنانچہ میں نے "نوائے وقت" میں لکھا کہ میرے پاس علامہ مرحوم کی ایک امانت

(دیوان) پڑی ہے جسے ان کے لواحقین مجھ سے لے سکتے ہیں چنانچہ جناب ثاقب زیروی کی وساطت سے میں نے وہ دیوان اُن کے عزیزوں کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اُن کا ایک اور دیوان کسی اور صاحب کے پاس ہے جو اسے طباعت کرانے کے لئے کوشاں ہیں مگر آٹھ برس کی مدت گزرنے کے بعد مجھے علامہ مرحوم کے فرزندِ ارجمند عزیزم محمود انورؔ قاضی نے بتایا ہے کہ وہ صاحب دیوان کے بارے میں کچھ نہیں بتلاتے۔ اور ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔! اس سلسلہ میں میں کچھ عرض کرنے کی پوزیشن میں نہیں کیونکہ علامہ مرحوم خود فرما گئے ہیں۔

ے انورؔ مرے مذاقِ سخن کی زکوٰۃ سے
کتنے ہی لوگ صاحب دیوان بن گئے

آج عزیزم محمود انورؔ قاضی نے بتایا کہ علامہ مرحوم کی خواہش کے مطابق میں ہی ان کے اولین مجموعہ کلام "لبِ فریاد" کا دیباچہ لکھوں۔ مگر میرا ان کو بھی یہی جواب ہے جو میں نے علامہ مرحوم کو دیا تھا کہ یہ کام کسی عظیم نقاد اور فن شاعری کے شناور کا ہے۔ بہر نوع میں اپنے اسی مضمون کو نذرِ قارئین کر رہا ہوں جو میں نے علامہ مرحوم کی زندگی میں لکھا اور جسے انہوں نے پسند فرمایا تھا اور کہا تھا ے

بے ساختہ زباں پہ ترا نام آگیا
کس مرحلے پہ اب دلِ ناکام آگیا
مجھ کو نہ دیکھ، میں تو گیا، میرا کیا رہا
لیکن یہ دیکھ تجھ پہ بھی الزام آگیا

کلیم اختر

۲۱۴ گارڈن ٹاؤن لاہور
۱۴ اپریل ۷۶ء

علامہ لطیف انورؔ

عہدِ حاضر کا ایک حقیقت پسند شاعر

لطیف انورؔ اپنے منفرد اسلوب بیان، انسانیت نواز نقطہ نظر اور جمال پرست شعری شعور کے لحاظ سے عہد حاضر کے شعراء کرام میں ایک خاص حیثیت کے مالک ہیں ان کے کلام بلاغت نظام میں جہاں قدیم روایتی ادب کی جھلکیاں نمایاں ہیں وہاں علامات زندگی کے جدید اور متحرک رجحانات کا نکھار بھی ہے اور اس بنا پر اگر ان کے کلام کو جدید اور قدیم شاعری کے حسین امتزاج کی اشاریت کہہ دیا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے

لطیف انورؔ کے اشعار، قطعات، منظومات، رباعیات اور غزلیات میں نہ صرف کلاسیکی فلسفۂ شعر کی آئینہ داری ہے بلکہ حیاتیاتی ادب کے نئے خیالات اور مزاج کا شعور بھی ملتا ہے جس سے ان کے فکر، تخیل اور مشاہدے اور مطالعے کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ شعر کی روح کی گہرائیوں میں اتر کر انسانیت کے ارتقاء کی نمائندگی وعکاسی کرتے جا رہے ہیں سیاسی تغیرات کے سہارے نہیں، بلکہ فن کی عظمت اور قلم کی طاقت سے۔!!

اپنے مخصوص طرزِ زندگی۔ درویشانہ سیرت اور انکسار پسند طبیعت کے باعث لطیف انورؔ کے اشعار میں بھی شرافت اور صداقت ٹپکتی ہے ان کے درد بھرے شعروں میں رس بھی ہے اور حسن بھی۔ گرمی بھی ہے اور شوخی بھی۔ ان سب محاسن میں سب سے بڑی چیز ان کا خلوص ہے جو فن اور انسان دونوں سے والہانہ وابستہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار پڑھ کر ذہن پر جو تصویر ابھرتی ہے وہ سادہ

بھی ہوتی ہے اور بلندیٔ کردار کی مظہر بھی۔ فرماتے ہیں ؎

کرم کرو کہ ستم، ہم گلا نہیں کرتے — خزاں میں پھول یقیناً کھلا نہیں کرتے
ملاؤ خاک میں ہم کو، مگر خیال رہے — کہ ہم سے لوگ دوبارہ ملا نہیں کرتے

لطیف انور اس مادہ پرست دور میں انسانوں کو زندگی کی حقیقتوں کو سنوارنے کا درس دیتے ہیں اور ان بجھے اور سہمے ہوئے اخوت و مودت کے جذبات کو ابھرنے پر اکساتے ہیں جنہیں حریف قوتوں نے پامال کر رکھا ہے اس احساس کا اظہار انہوں نے اپنے بیشتر کلام میں کیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ان کے کلام کا بنیادی نقطہ ہی عظمتِ انسانیت ہے ان کے ہاں غم بھی ہے اور غم کا عرفان بھی۔ کیف و سرور بھی ہے اور رنج و محن بھی۔ یعنی زندگی کے ہر پہلو اور ہر رُخ پر انہوں نے ایک شدید جذبے سے قلم اٹھایا ہے۔ لکھتے ہیں ؎

کچھ اہلِ وفا کے لیے ہم چھوڑ کے جاتے — رستے میں اگر نقش قدم چھوڑ کے جاتے
آنکھوں میں اگر تیرا قدِ راست نہ ہوتا — کیوں دل کو تری زلف کے خم چھوڑ کے جاتے
آنچ آتی اگر تجھ سے بھی تقدیسِ وفا پر — تجھ کو بھی ترے سر کی قسم چھوڑ کے جاتے
انورؔ ہمیں بے مایہ سمجھتی رہی دُنیا — ہم اس کے لیے اپنا قلم چھوڑ کے جاتے

لطیف انورؔ کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی شخصیت، حالات اور شعر و سخن کے بارے میں نظریات کا مختصر سا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ ان کے نظریۂ شعر کی وضاحت پوری طرح ہو سکے۔ چونکہ ابھی تک موصوف کا کوئی شعری مجموعہ زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ اس لیے انہوں نے راقم الحروف کو اپنے بارے اور اپنے نظریۂ شعر کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیلات مہیا کیں جن سے ان کی شخصیت کا پتا بھی

چلتاہے اور دشتِ شعروسخن کی نوردی کا حال بھی۔ ر

لطیف انورؔ ۱۹۱۱ء گورداسپور ضلع مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ تعلیم پشاور۔ ڈیرہ اسماعیل خاں اور اسلامیہ کالج لاہور میں حاصل کی۔ آپ کے والد قاضی محمد علی پشاور میں پولیس آفیسر تھے اور برادرِ اکبر خان صاحب قاضی محمد حسین ایس پی تھے تصوف خاندانی ورثہ میں پایا۔ مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔ اُردو۔ فارسی پشتو انگریزی۔ پنجابی اور ہندی کا ادب زیرِ مطالعہ رہتاہے، عربی بھی جانتے ہیں۔

شاعری کے بارے میں فرمایا " ابتدا میں پشاور کے مشہور شاعر بابو فیروزالدین فیروزؔ سے اصلاح لی۔ اس کے بعد لسان الملک حضرت ریاض خیرآبادی کی شاگردی کی۔ ان کی موت کے بعد حضرت سیماب اکبرآبادی کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ عروض خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے سبقاً پڑھا۔ اردو سے بے حد محبت ہے اُردو کی خدمت جزوِ حیات ہے۔ صِلے کی توقع نہ داد کی پروا۔ پروپاگنڈہ سے متنفر ہوں۔"

اپنے نظریۂ ادب و شعر کے متعلق فرمایا " میرے نزدیک شاعری عامی ذہنی رابطے کا ذریعہ ہے۔ مجھے ظالم سے نفرت اور معصوم سے محبت ہے آدمی کا احترام میری شاعری کا بنیادی موضوع ہے کردار کے لحاظ سے مشرقی اقدار کا دلدادہ ہوں۔ میں کیا ہوں میری شاعری کیا ہے؟ میں کیا چاہتا ہوں؟ اور میرے پڑھنے والے مجھے کیا سمجھتے ہیں؟ اس کا جواب میرے نقادوں کے ذمّے ہے۔"

مندرجہ بالا حالات سے جو چیزیں فوری طور پر سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ:۔

- لطیف انورؔ کی شخصیت کی تشکیل میں مشرقی علوم کو سب سے گہرا دخل رہا ہے۔
- انہوں نے اپنے وقت کے قادرالکلام اساتذہ سے فیض حاصل کیا ہے۔

• صوفیانہ خیالات ورثہ میں ملے ہیں۔

• شاعری ذریعہ اخوت اور محبت ہے۔ اجتماعیہ انسانیہ کے لئے۔

لطیف انورؔ اس دَور میں اس اعتبار سے قابلِ فخر اور باعثِ تحسین ہیں کہ ان کی شاعری مختلف ادوار سے گزری اور اُس کی حساس طبیعت نے ہر عہد کا اچھا اثر قبول کیا۔ انہوں نے برطانوی استعماریت کی یورشیں بھی دیکھیں اور اُردو زبان کے معرکے بھی۔ یعنی سیاست ادب نے ان کی شخصیت و شاعری کو پختہ کر دیا۔ ان کی شاعری کا آغاز اقبالؔ۔ ابو الکلام۔ آزادؔ۔ حسرتؔ اور ظفر علی خاں کے زمانہ میں ہوا۔ سیمابؔ اکبر آبادی کے شاگرد بنے اور غزل کی صنف سے واقف ہوئے۔ اور ایسے واقف ہوئے کہ غزل خود ان پر ناز کرنے لگی ؎

مرے نصیب میں شاید پیام یار نہیں کہ شوقِ وصل تو ہے تابِ انتظار نہیں
چمن میں کس کا تصرف ہوا کہ اب کے برس گلوں کے سر پہ کہیں سایۂ بہار نہیں
ہوائے شوق اڑائے کہاں کہاں مجھ کو سراغِ منزلِ ہستی مرا غبار نہیں
قفس میں کیوں نہ کروں انتظارِ موجِ صبا میں جانتا ہوں پنا اس کی پائیدار نہیں
بڑا مزا ہو، اگر ناخدا کو لے ڈوبے وہ ایک ناؤ کہ اب تک بھنور کے پار نہیں
ستم کچھ اور بھی ہو، میں ترے کرم کے نثار کہ جانفزا ہے ترا عہد استوار نہیں

اب آدمی کا خدا جانے کیا بنے انورؔ
کہ آدمی کو خدائی بھی سازگار نہیں

لطیف انور کی حد سے زیادہ پُر خلوص اور حساس طبیعت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ جہاں انسانوں سے محبت و عقیدت رکھتے ہیں وہاں ان کو اپنے

بے لوث وجود کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ ان کے اس احساس کے اظہار میں غم کے آنسو بھی ہیں اور عظمتِ کردار کا پرتو بھی۔ فرماتے ہیں ؎

ہم خاک نشیں عرش کے ہم پایہ ہیں ۔۔۔ مہر و مہ و انجم کا حسیں سایہ ہیں
دیکھو ہمیں ضائع نہ کرو اے لوگو! ۔۔۔ ہم لوگ یہاں جنسِ گرانمایہ ہیں

لطیف انور اس حقیقت سے بھی باخبر ہیں کہ یہ لوگ "جنسِ گرانمایہ" ہوتے ہیں۔ دنیا والے ان کے ساتھ کون سا سلوک کرتے ہیں؟ وہ اس سلوک سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ انہیں دعوت عمل دیتے ہیں اور اس دعوت عمل میں جہاں اپنی سچائی اور صداقت۔ جرأت اور بے باکی کی ترجمانی ہے وہ کوتاہ بین افراد کے لئے عبرت بھی پوشیدہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

دل سے تو بے شک اتارے گا مجھے ۔۔۔ بار ہا لیکن پکارے گا مجھے
مجھ کو ہے اپنے گناہ کا اعتراف ۔۔۔ پہلا پتھر کون مارے گا مجھے

اب "پہلا پتھر" کون مارے گا؟ یہ ہمارے معاشرے پر بھرپور طنز ہے جس میں اس بحیر کا رونا رویا گیا ہے کہ "انسان" کتنا مفقود ہے اور ظلم کتنا بڑھا ہوا ہے۔

لطیف انور کی شاعری سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوتی ہے کہ وہ ایک منزل کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور اپنی زندگی کے ہر دور میں انہوں نے اس منزل تک پہنچنے کا قصد کیا اور اس کے لئے سختیاں بھی برداشت کیں۔ اور غریب الدیاری کا شکار بھی ہوئے لیکن ان مصائب اور مشکلات کو انہوں نے اپنی شاعری میں جذب نہیں ہونے دیا۔ بلکہ وہ ایک خلوص ایک لگن اور ایک تڑپ سے فن کی خدمت کرتے چلے گئے۔ اور ان کا طائرِ تخیل حقیقتوں تک پہنچنے کے

بعد بھی محوِ پرواز رہا۔ انہوں نے اپنے ذاتی اور مقامی دکھوں اور سکھوں میں ایک ایسا رنگ جذبہ پیدا کیا جس نے انہیں ایک وسیع اور متحرک دنیا سے آگاہ کر دیا۔ اور وہ دنیا یقیناً عظمت کی دنیا ہے۔ جہاں انسانیت کا چرچا ہے۔ فرماتے ہیں ؂

تری دُھن میں ہم کو پتا چلا نہ کہاں کہاں سے گزر گئے!
ترے آستان کی تلاش تھی ترے آستاں سے گزر گئے۔

میں خوش ہوا تھا ساعتِ دیدار آگئی
لیکن قدم بڑھائے تو دیوار آگئی

لطیف النورؔ کے اشعار میں جہاں شعری حسن اور روایت ہے وہاں ایک تڑپ اور طنز بھی ہے وہ معاشرہ کے خداوندانِ نعمت کی عیاریوں کو، سیاست دانوں کی طالع آزمائیوں کو بڑی خوبصورتی سے عیاں کرتے ہیں۔ اِن کے لہجہ میں حسن ہے اور یاس بھی، شکوہ بھی ہے اور مجبوری بھی ؂

ہر زخمِ دل سے ان کے تغافل کی داد دی
وہ مسکرا کے عمرِ تمنا بڑھا گئے!
کچھ خونِ بے گناہ کے چھینٹے اڑے تو تھے
لیکن تم احتیاط سے دامن بچا گئے

قطعہ ہو یا نظم — رباعی ہو یا غزل، النورؔ ہر جگہ نمایاں اور منفرد ہیں — ان کی شاعری مختلف مدارج طے کرتی ہوئی اب اپنی معراج کی جانب محوِ پرواز ہے — اور غزل میں جہاں جمالیاتی کیفیات ہیں وہاں اس جذبہ کا بھی اظہار ہے۔ جو اجتماعیت کا نمائندہ — اور احساس انسانیت کا مظہر ہے۔ اس ضمن میں ایک غزل ہے ؂

دیکھ یہ کیا مرحلے اے بے خبر آنے لگے!
میرے آنسو تیری آنکھوں میں نظر آنے لگے
مژدہ دنیا میرے شوقِ گوش برآواز کو
جیسے نغمہ سا کوئی نزدیک تر آنے لگے

ہاں وہی گمراہ ہوتا ہے، متاعِ کارواں
جس کو سمجھانے کی خاطر راہ بر آنے لگے

سُرخرو ہوتی ہے اب سر پھوڑنے کی آرزو
خیر مقدم کے لیے دیوار و در آنے لگے

اس طرح سرگشتۂ منزل ہوئی منزل تک گئی
لگ کے قدموں سے غبارِ رہ گزر آنے لگے

کر دیا تبدیل آئینِ چمن صیاد نے
جب قفس میں کام میرے بال و پر آنے لگے

مجھ کو بھی معلوم ہے میرے مقدر کا لکھا
یہ دعا کر اس طرف سے نامہ بر آنے لگے

اس نگاہِ ناز کا ایماں پسِ پردہ تھا کیا
سامنے ہر شخص کے عیب و ہنر آنے لگے

زندگی خوفِ جہنم ہے نہ ارمانِ بہشت
کیا کہوں تجھکو اگر جلنے سے ڈر آنے لگے

بندگی کا اس قدر معیار ہو جائے بلند
اپنے قدموں ہی پہ انورؔ اپنا سر آنے لگے

مرے دم سے چمن میں اعتبارِ موسمِ گُل ہے
مرا چاکِ گریباں یادگارِ موسمِ گُل ہے

کسے معلوم، رسوا کر گیا کس کس تمنا کو
وہ اک نالہ کہ اب تک پردہ دارِ موسمِ گُل ہے

کوئی انورؔ بتلائے تو سہی ہم غم نصیبوں کو
قفس کی تلخیوں میں کیوں شمارِ موسمِ گُل ہے۔

کسی کے نام نہیں اور سب کے نام

۹

کیا ستم ہم نے کیا، اُس کو اگر یاد کیا
جس تغافل نے سراپا لبِ فریاد کیا

۵

وقت، تخئیل کی پرواز کا آوارہ سکوت
ماضی و حال کی تقسیم کا ناکارہ ثبوت
ایک ناکام طلب، ایک وجودِ نابود
ایک ہنگامۂ اُمّید، خیالی معبود
زیست کی کشمکشِ تازہ کا عنوانِ کُہن
رنجِ امروز کا یا عشرتِ فردا کا چلن
اِک فسانہ ہے کہ عنوان کا محتاج نہیں
آج ہے کل ہے مگر کل کی طرح آج نہیں

ایک پشتارۂ اوہام، حقیقت کی اساس
گاہے تنقید کا عالم گہے تنظیمِ سپاس
جیسے اِک خواب بھی ہے خواب کی تعبیر بھی ہے
مستقل نقش بھی، مٹتی ہوئی تصویر بھی ہے
اِک تسلسل ہے، غمِ مرگ و تمنائے حیات
وقت کا شعبدہ ہوتا ہے فنا ہو کہ ثبات

○

سایہ دار درخت

قصیدہ

پاؤں میں جب سکت نہیں پاتے
دھوپ میں ہانپتے ہوئے رہ گیر
کھینچ دیتا ہے جب غمِ فردا
خشک ہونٹوں پر آرزو کی لکیر

جب شکستہ دلی کے عالم میں
سامنے کوئی شے نہیں ہوتی
جب کسی آس کے سہارے پر
منزلِ زیست طے نہیں ہوتی

○

اپنی ٹھوکر سے وقت کا عفریت
توڑ دیتا ہے آس کا ڈھانچا
ذہن کے بس میں جب نہیں رہتا
حسنِ تدبیر کا کوئی سانچا

ہر مسافر وہاں تھکا ہارا
ڈھونڈتا ہے درختِ سایہ دار
جس کے سائے میں دردِ دستائے
جس کا سایہ ہو ہمدم و غمخوار

○

اے مری آبروئے دیدۂ شوق
حُسن تیری نظر کا عالم ہے
منزلِ زندگی کا ہر رستہ
تیری زلفوں کا دل فزا خم ہے

تیری ہستی ہے سایہ دار درخت

تیرے سائے میں چین پاتے ہیں

تجھ کو اِس سے غرض نہیں لیکن

یہ مسافر کہاں سے آتے ہیں

○

اے مری جان! کس لیے پیہم — اپنے سائے میں آپ جلتی ہے

تیری زلفوں کی اوٹ میں اکثر — اِک نئی زندگی مچلتی ہے

میں مسافر ہوں اور تیرا جمال

اک درختِ سکوں فزا کی مثال

خیال و خواب

(مرثیہ)

مری طلب کو ڈبو گئی ہے
حیات کچھ اور ہو گئی ہے
مآل کیا تیری جستجو کا
اُمید اب تھک کے سو گئی ہے

وہ ایک سایہ سا پر فشاں ہے

مرا گماں یا تر انشاں ہے

خیال کو خواب سے جھنجھوڑے

حقیقتِ زندگی کہاں ہے

○

خیال انگڑائی لے رہا ہے

فریب تسکین دے رہا ہے

اجل کلیسے رحم ہاتھ جیسے

حیات کی ناؤ کھے رہا ہے

شکستِ دل اور روپ دھارے
شبِ الم اب کسے پکارے
ترا تصوّر نہ ساتھ چھوڑے
کہ ڈوب جائیں گے چاند تارے

○

نہ خواب کو دے گا طُول کوئی
نہ شاد ہو گا ملُول کوئی
یہ کیا ہوا، میرے آنسوؤں میں
سُلگ اُٹھا جیسے پھُول کوئی

○○

○

ہم اپنے لئے تیرگیٔ شام بھی ہیں
ہم اپنے لئے گردشِ ایّام بھی ہیں
لیکن تمہیں مژدہ کہ تمہارے حق میں
ہم ایک نئی صبح کا پیغام بھی ہیں

○

ہو اگر ذوق عشق کی تجدید
میں اُٹھاتا ہوں اِک نئی تمہید
آج بھی سرگزشت آدم کے
مختلف باب ہیں حسینؓ و یزید

سیاہی نہیں آدم کی اساس

اُٹھا جام اے ساقیِ دل نواز
کہ ہم رسمِ عالم سے ہوں بے نیاز
ہمیں رسمِ عالم سے کیا کام ہے
ہمارا مقدر خطِ جام ہے
یہ عالم، یہ آماجگاہِ رسوم
جہاں قتل و غارت کی رہتی ہے دھوم

یہاں آدمی ، آدمی کا غلام
کہ پھیلا ہوا ہے سیاست کا دام
کسی کو کسی پر نہیں اعتبار
شکاری بھی خود ہے یہاں تو شکار
کہیں رقص و نغمہ ، کہیں دل کا سوگ
یہاں چال پر چال چلتے ہیں لوگ
یہاں زیست دیرینہ بیمار ہے
یہاں موت کا گرم بازار ہے
اُٹھا جام اے ساقی راز داں
زمیں پر نہ ٹوٹے کہیں آسماں

O

کہیں چھاؤں ہے یا کہیں دھوپ ہے
یہاں رُوپ کی تہہ میں بہروپ ہے
یہاں ہر قدم پر نیا جال ہے
یہاں زندگی بھیڑیا چال ہے
یہاں آشیاں ہے قفس کی دلیل
یہاں فصلِ گل ہے خزاں کی مثیل
یہاں کیا تمنا یہاں کیا اُمید
یہاں کیا غمِ دل کی گفت وشنید

یہاں غم کا کوئی مداوا نہیں
یہاں آدمی کیا چھلاوا نہیں
یہاں زہر دیتے ہیں بیمار کو
یہاں عقل کہتے ہیں تکرار کو
اُٹھا جام اے ساقی گلبدن
نہیں آدمی میں وفا کا چلن

ہم عالم کو اِک تازہ پیغام دیں
نئی صبح بخشیں نئی شام دیں

بھیانک اندھیرا ہر اک سمت ہے
الم ناک ہے زندگانی کی لے

ملے آدمی کو الم سے فراغ
جلائیں نئی آرزو کے چراغ

محبّت کا ہم بول بالا کریں
کہ عالم میں ہر سُو اجالا کریں

سیاست کا فتنہ ہے خوف و ہراس
سیاہی نہیں آدمی کی اساس

قیامت نہ برپا ہو اب چار سُو
زمیں پی چکی آدمی کا لہُو

اُٹھا جام اے ساقیِ نازنیں
کہ جنت بنے اب ہماری زمیں

○

ہم لوگ

تری نگاہ میں کیوں خار خار ہیں ہم لوگ
قریب آ کہ سراپا بہار ہیں ہم لوگ

جہاں خلوص کے سائے میں زندگی گزرے
اُسی فضا کے لئے سازگار ہیں ہم لوگ

ہماری سمت اُٹھائے نہ اُنگلیاں کوئی
کہ مہر و مہ کی طرح آشکار ہیں ہم لوگ

حضور ہم سے مخاطب بہ احترام و ادب

حضور، نطق و قلم کا وقار ہیں ہم لوگ

متاعِ دل ہیں یہی داغ ہائے دل انورؔ

انہی کے فیض سے باغ و بہار ہیں ہم لوگ

○

○

صبح کی باتیں کریں یا شام کی باتیں کریں
عشق میں گزرے ہوئے ایّام کی باتیں کریں

اب میسّر آ نہیں سکتا ہمیں جس کا وصال
اب اُسی محبوب کے پیغام کی باتیں کریں

کس تمنّا سے یہاں ٹوٹا ہے دل کا رابطہ
اے حنیف اس آرزوئے خام کی باتیں کریں

اب کہاں سے لائیں ہم دل کی تسلّی کا جواز
کس توقّع پر کسی کے بام کی باتیں کریں

گردشِ ایّام مے خانے کے در تک آ چلی

اب تو مے آشام دورِ جام کی باتیں کریں

مقدرت ہو تو کسی کے سایۂ دیوار میں!

بیٹھ کر ہم گردشِ ایام کی باتیں کریں

ذکر کیا چھیڑیں خلوصِ دیدۂ مشتاق کا

دل پہ جو عائد تھا اُس الزام کی باتیں کریں

کُھل کے کیا روئیں کسی شیریں دہن کی یاد میں

دل ہی دل ہیں تلخیٔ دشنام کی باتیں کریں

دام سے جس کو قفس تک بھی نہ پہنچایا گیا

فصلِ گُل ہیں اُس اسیرِ دام کی باتیں کریں

آؤ دانستہ کریں ہم تم حقائق سے گریز،
دل کے اطمینان کو اوہام کی باتیں کریں
دل ہے جس کی یاد سے پہلو میں مرجھایا ہوا
آؤ، انورؔ اُس لبِ گلفام کی باتیں کریں

○

تری نگاہ کا اب تک کوئی اصول نہیں،
مذاق دید کو آوارگی قبول نہیں
ذرا سنبھل کے یہاں دامنِ نظر پھیلا
چمن میں کانٹے بھی ہوتے ہیں صرف پھول نہیں

○

ہ

خفا نہ ہو جو ترے غم کی داد دے نہ سکوں
شریکِ دل ہے بہر رنگ زندگی کا خوں

نہ مسکرا مرے دامانِ چاک پر اتنا
نہیں ہے فصلِ گل و لالہ تک نمودِ جنوں

اگرچہ شغلِ محبّت ہے رنگ آمیزی
مرے خیال میں ہستی ہے ایک نقشِ زبوں

قریبِ ختم پہنچتی ہے راہِ بے منزل
دلِ فسردہ کو اندیشۂ مآل ہے کیوں

بُرا نہ مان تقاضائے ذوق ہے ساقی
کہ میکدے میں ابھی اور تشنہ کام رہوں
کسی نے داد نہ دی میرے ظرف کی انورؔ
مگر یہ طعن کہ بیگانۂ محبّت ہوں

○

سوچتا ہوں مآل لالہ وُ گل
ہاتھ ڈالے ہوئے گریباں میں
میں ترے انتظار ہی میں رہا
پھُول مرجھا گئے گلستاں میں

ہ

محفل سے نکل کر تری محفل کو بدل دوں

میں چاہوں تو آئینِ غمِ دل کو بدل دوں

زنداں کے قریب آؤ تو میں پاسِ وفا سے

نغمات میں آوازِ سلاسل کو بدل دوں

انور، مری کشتی کو نہیں خوفِ تلاطم

موجیں ہوں مخالف تو میں ساحل کو بدل دوں

ہ

دل میرا ابھی مائلِ فریاد نہیں ہے
کیا اور تمہیں طرزِ ستم یاد نہیں ہے

رُک رُک کے قدم اُٹھتے ہیں میخانے کی جانب
ثابت ہے کہ ساقی کو مری یاد نہیں ہے

فطرت کا اشارہ ہے یہاں گریۂ شبنم
ہنستے ہوئے پھولوں کو خزاں یاد نہیں ہے

میں روؤں شبِ ہجر تو ہنستے ہیں ستارے
کیا عشق کسی حال میں آزاد نہیں ہے

منزل ہے ابھی دُور مگر راہ نما کو
اب اور فسانہ ہی کوئی یاد نہیں ہے

میری ہی طرف اُٹھتی ہیں کیوں سب کی نگاہیں
کیا اور کوئی بزم میں ناشاد نہیں ہے

اب یادِ نشیمن میں بسر ہوتی ہے انورؔ
اتنا ہی بہت ہے غمِ صیّاد نہیں ہے

○

○

انتظارِ فصلِ گل ہے یا حجابِ نغمہ ہے
بلبلوں کی خامشی کسلِ شبابِ نغمہ ہے

یا نہیں ہے فطرتِ صیاد کو نغمہ پسند
یا قفس کی زندگی ناکامیابِ نغمہ ہے

تو نے صادر کر دیا حکمِ زباں بندی تو کیا
فطرۂ سودائیٔ نغمہ خرابِ نغمہ ہے

کاش ! کانٹا کام کر جاتا کوئی مضراب کا
سینۂ بلبل میں باقی اضطرابِ نغمہ ہے

ساقیِ مطرب کا کیا کہنا کہ انورؔ بزم میں

ہر شگفتہ پھول اِک جامِ شرابِ نغمہ ہے

○

ہم نے شوقِ منزل میں غم پہ غم اُٹھائے ہیں

دل ضرور بیٹھا ہے جب قدم اُٹھائے ہیں

اب نہ دے مرے دل کو تازہ آرزو کوئی

پہلے آرزو نے کیا کم ستم اُٹھائے ہیں

مرے دل کو مرہونِ غم کر چلے
یہ کیا آپ مجھ پر کرم کر چلے

بڑھا کر ترے غم کی ہم آبرو
زمانے کے شبہات کم کر چلے

نہیں رائیگاں اب ہمارا لہو
کہ دامانِ قاتل کو نم کر چلے

رسومِ محبّت کو یہ کچھ دل پذیر
نہ تم کر چلے اور نہ ہم کر چلے

ہماری جبیں آسماں بوس تھی

اُسے تیرا نقشِ قدم کر چلے

نہ انور کسی سے ہوئی احتیاج

بسر بے نیازانہ ہم کر چلے

○

کسی کے چہرے پہ غازہ کسی کی آنکھ میں دھول

کسی کے پاؤں میں کانٹا کسی کے ہاتھ میں پھول

یہی رہے گا کہاں تک جہاں کا معمول

کہ جیسے بند دریچوں پہ رحمتوں کا نزول

ہ

کس کو پکارتا ہے ہاں کون رہنما ہے

کیوں رہنما کی دھن میں ناحق بھٹک رہا ہے

موجوں کا رُخ بدلتا جاتا ہے رفتہ رفتہ

ہاتھوں سے کچھ اشارا اب سُوئے ناخدا ہے

اے غمگسار! میرا اب حال ہے دگرگوں

جب سے تھمے ہیں آنسو جی ڈوبنے لگا ہے

کیا شمع بزم اس پر ڈالے گی روشنی کچھ

کس آرزو میں آخر پروانہ جل رہا ہے

ناکامیوں نے کھولا سُود و زیاں کا عقدہ

اب دل بھی کام کا ہے اب غم بھی کام کا ہے

شبنم کو کس نے دی ہے تکلیف گریۂ نور

اپنے مآل پر خود ہر پھول رو رہا ہے

○

حرم میں دیر میں دونوں میں اِک اندھیرا تھا

چراغ بن کے مرا دل کہاں کہاں جلتا؟

O

کہاں تک روئیے اے چشمِ پرنم

ہے نقشِ آرزو مبہم ہی مبہم

یہاں ہے اور ہی کچھ دل کا عالم

کہ ہر اک زخم ہے ہم رنگِ مرہم

گُلوں پر ہے فنا کا خوف طاری

اِنہیں کیا ہوش میں لائے گی شبنم

کبھی مل جائے گی گم گشتہ جنّت

تجسس میں رہے فرزندِ آدم

یہ مانا فرض ہے حفظِ نشیمن

مگر بجلی چمکتی ہے دمادم

○

دل اور زبان کو ایک کر لو پہلے

اخلاص سے اس خلا کو بھر لو پہلے

پھر میرے گلے میں ڈال دینا بانہیں

تم اپنے خیال سے گزر لو پہلے

○

○

مشکلِ ہستی کو آساں کیجئے
عامِ سوزِ غم کا عرفاں کیجئے

چاک داماں یا گریباں کیجئے
حسنِ پنہاں کو نمایاں کیجئے

دَیر سے پیدا ہوں آثارِ حرم
کفر کو تمہیدِ ایماں کیجئے

عشق کو ہے طرفہ کاری کا خیال
خوابِ ہستی کو پریشاں کیجئے

○

عہدِ ناصح میں گریباں اس کا بے ترمیم ہے
تیرا دیوانہ یقیناً قابلِ تعظیم ہے

میرا دامن اور کانٹے، تیرا دامن اور پھول
اہلِ گلشن کیوں نہیں کہتے، غلط تقسیم ہے

ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے ابنِ آدم کی طرف
زندگی گویا سراپا حسرتِ تنظیم ہے

وہ فقیر رہ نشیں ہے یا امیرِ بے گلہ
کچھ نہیں کھلتا کہ انورؔ خوگرِ تسلیم ہے

ن اندیشہ ہے طوفاں کا نہ ساحل کی تمنّا ہے
خدا معلوم اب میرے لئے اے ناخدا کیا ہے

نہیں منزل، مگر احساسِ منزل ذوق افزا ہے
شریکِ راہ قسمت سے ترا نقشِ کفِ پا ہے

ابھی سے فصلِ گل کا تذکرہ کیا اے چمن والو
ابھی صیّاد ہے گل چیں ہے، برقِ بے محابا ہے

چمن میں فصلِ گل پر باوجودِ گریۂ شبنم،
زبانِ حال سے ہر نو شگفتہ پھول ہنستا ہے

کئی پردے اُٹھائے جا چکے ہیں روئے ہستی سے
مگر ہر ایک پردہ ایک پردے کا تقاضا ہے

ہماری نوحہ پیرائی کا مقصد کھُل نہیں سکتا
چمن کی اور دنیا تھی، قفس کی اور دنیا ہے

نہ پُوچھو مجھ سے انورؔ منزلِ ہستی کی دشواری
کہ میں تو وہ مُسافر ہوں جو اِس رستے میں تنہا ہے

○

راہِ وفا میں خاک خود اپنی اُڑا کے دیکھ

کچھ دیکھنا ہے، تجھ کو تو سب کچھ لُٹا کے دیکھ

گرداب ہے قریب کہ ساحل قریب ہے

اے ناخدا بچا کے خدا را بچا کے دیکھ

دل مطمئن نہیں ہے حکایاتِ طُور سے

اِک بار اور میری نظر آزما کے دیکھ

○

○

ہم فقیروں کو اور ہے کیا روگ
شہرِ دل میں ہے آرزو کا سوگ
کوئی پُرسانِ غم نہیں انورؔ
کتنے بے درد ہیں یہاں کے لوگ

○

○

شمعِ محفل کو نہیں تابِ حیات

خاکِ پروانہ ہے سیلابِ حیات

کشتیٔ اُمّید ہے ساحل سے دُور

اَور ہے نزدیک گردابِ حیات

اضطرابِ غم سکھاتا جائے گا

رفتہ رفتہ دل کو آدابِ حیات

بزمِ ہست و بود میں رہتی ہے کیوں

سَاز سے بیگانہ مضرابِ حیات

موت ہے صبحِ حقیقت کی نمود

تشنۂ تعبیر ہے خوابِ حیات

اے صبا! غنچے ہیں محوِ خواب کیوں

نغمۂ بلبل ہے بے تابِ حیات

ضبطِ گریہ کا مزا جب ہے کہ ہو

دل کا ہر اک زخم شادابِ حیات

لُٹ کے راہِ عشق میں اے بے خبر

ہاتھ آجاتے ہیں اسبابِ حیات

مجھ کو انورؔ کیا غمِ بے مائگی

میرا ہر اک شعر ہے آبِ حیات

○

اے دردِ دل ٹھہر کہ غمِ دید کر سکوں
ضبطِ فغاں کو حشر کی تمہید کر سکوں

نظّارہ جرم، عشق خطا آرزو گُنہ
کس طرح تیرے لطف کی اُمید کر سکوں

اندیشۂ عدم ہے مگر اے غمِ حیات
شاید حیاتِ رفتہ کی تجدید کر سکوں

اس ناز سے ہو میری وفا پر وہ نکتہ چیں
دل کو شہیدِ شوخئ تردید کر سکوں

انورؔ، سخن شناس ہوں، ممکن نہیں کہ میں
تحسینِ ناشناس کی تائید کر سکوں

○

نالۂ نا قبول کر لوں گا
اور دل کو ملول کر لوں گا
جس کی پاداش ہو تری رحمت
میں کوئی ایسی بھول کر لوں گا

○

○

ترا سلوک عجب اے نگاہِ ناز رہا
نہ دل رہا نہ مرے دل کا کوئی راز رہا
نکل ہی آئے گا کوئی سکون کا پہلو
کچھ اور دل میں اگر درد کارساز رہا
نہ جم سکے گا کبھی رنگ بزمِ ہستی میں
اگر نہ سوزِ محبت شریکِ ساز رہا

○

کہاں پہنچ کے رُکا کاروانِ آوارہ
نہ راستے کا نہ منزل کا امتیاز رہا
ہوا نہ راحتِ منزل سے آشنا لیکن
غمِ نشیب رہا یا غمِ فراز رہا

○

مجھے اہلِ مے خانہ حسرت سے دیکھیں
کہ ہاتھوں سے چھوٹا ہوا جام ہوں میں

ہر نفس میں سراغِ ہستی ہے
داغِ دل اِک چراغِ ہستی ہے

دیکھ آسودگانِ خاک کو دیکھ
اِن کو حاصل فراغِ ہستی ہے

چشمِ بے خواب میں رُکے آنسو
اب لبالب ایاغِ ہستی ہے

نہیں اندیشۂ اجل سے سکوں
بے خلل کب دماغِ ہستی ہے

دل کی رونق نہ پوچھ اے انورؔ
اس کا ہر داغ، داغِ ہستی ہے

○

ہستی کے لب پہ موت کا افسانہ رُک گیا
کچھ کہتے کہتے شمع سے پروانہ رُک گیا

مجھ کو نہ راس آیا تری بزم کا سلوک
جب میرا تذکرہ چلا پیمانہ رُک گیا

اہلِ خرد ہیں جمع کہ کچھ تجزیہ کریں
وہ کیا مقام ہے جہاں دیوانہ رُک گیا

انورؔ کو تو نہ دیکھ کسی اشتباہ سے
تیری گلی میں یُونہی فقیرانہ رُک گیا

جس کے لب پر کبھی دعا ہی نہیں
اس کا شاید کوئی خُدا ہی نہیں

اب ہمیں کوئی پُوچھتا ہی نہیں
جیسے ہم صاحبِ وفا ہی نہیں

تیرا دامن نہ تھام لیتے ہم
حسرتِ دل کا خوں بہا ہی نہیں

کس کو دیں زحمتِ جگر کاوی

کوئی ناخن گرہ کشا ہی نہیں

اِس طرح جی رہے ہیں ہم انورؔ

جیسے جینے کا آسرا ہی نہیں

○

تمہاری چال سے مخلوق بے خبر کیوں ہے

تمہارا عیب بہ اندازۂ ہنر کیوں ہے

خدا کا خوف نہیں ہے تمہارے دل میں اگر

خدا کا نام تمہاری زبان پر کیوں ہے

○

ہر سانس، سعیٔ ضبط گلوگیر ہو گئی

اے خوابِ زندگی، تری تعبیر ہو گئی

میں تیرے التفات کی تدبیر میں رہا

لیکن تری جفا مری تقدیر ہو گئی

اب دل شکستگانِ وفا کو نہ دے فریب

اب زحمتِ نگاہ میں تاخیر ہو گئی

○

○

موت آئی کہ چارہ ساز آیا

کیوں نہ اب تک سمجھ میں راز آیا

مجھ کو دوزخ کی حکمرانی دے

خدمتِ خلق سے میں باز آیا

○

حدیثِ ترکِ وفا ہم صفیر رہنے دے

یونہی اسیرِ وفا کو اسیر رہنے دے

ترے کرم کا بہر طورِ شکریہ لیکن

مرے ضمیر کو میرا ضمیر رہنے دے

○

مری طرف کو بڑھے ساغرِ شراب ذرا
زمانہ کھائے ابھی اور پیچ و تاب ذرا

ٹپک پڑے نہ کہیں خونِ آرزو اے دل
شگفتہ پھولوں سے واجب ہے اجتناب ذرا

ابھی بہار کا جلوہ ہے تشنۂ تکمیل
گلوں کو ہونے دو شبنم سے آب آب ذرا

اُجڑ چکا ہے نشیمن، گزر چکی ہے بہار
قفس کا لطف اٹھا، بلبلِ خراب ذرا

○

عشق ہے عشق یا کوئی تقصیر
پانوؑں میں ڈالتے ہو کیوں زنجیر

خندۂ زیرِلب سے کیا حاصل
کچھ مرا جُرم ، کچھ مری تقصیر

ہنسنے والے تجھے نہیں معلوم
دل میں پیوست ہو گئے ہیں تیر

ناؤ کا رُخ ہے آج کس جانب
ناخدا خود بخود ہے کیوں دلگیر

آشیاں کو ہے برق سے چشمک
نامکمل ہے کوششِ تعمیر

○

زندگی کے مہیب رستے میں
ہر قدم پر ہزار خطرے ہیں
ہاں، ترے کام آسکیں شائد
میرے ساغر میں چند قطرے ہیں

ہستی میں نیستی کی ادا دیدنی نہیں
اے دل طلسمِ بیم و رجا دیدنی نہیں

تاریک تر ہے جراَتِ پروانہ کا مآل
اے شمعِ بزم، تیری ضیا دیدنی نہیں

ہر پھول سرنگوں ہے گلستانِ دہر میں
ٹھہرو نہ تم کہ موجِ ہوا دیدنی نہیں

جس میں خلوص ہو نہ محبت کی چاشنی
ایسے بشر کی کوئی ادا دیدنی نہیں

اے فطرتِ بشر کے مبصّر بتا مجھے
کیا امتیازِ شاہ و گدا دیدنی نہیں

بے اختیار جانبِ گرداب ہے رواں
اب بے کسئ اہلِ ہوا دیدنی نہیں

سوزِ دروں سے اس کو ابھی اور دے فروغ
اے دل، ہنوز داغِ وفا دیدنی نہیں

کیا فطرتِ حسین رضؓ نہیں قاتلِ یزید
کیا واقعاتِ کرب و بلا دیدنی نہیں

انور، مری نظر میں نہیں تختِ خسروی
کیا شانِ بوریائے گدا دیدنی نہیں

○

نہ ذکرِ جام نہ فکرِ شراب اے ساقی
پڑے ہیں رند بہ حالِ خراب اے ساقی
جھنجھوڑ بادہ کشوں کو کہ شب تمام ہوئی
طلوع ہونے لگا آفتاب اے ساقی
فروغِ مے سے ہمہ آفتاب ہیں چہرے
نہیں کسی کو غمِ احتساب اے ساقی

کروں میں قلزمِ ہستی میں فکرِ ساحل کیا
مری نمود ہے مثلِ حباب اے ساقی
نہ اِس کو فرصتِ تعبیر ہے نہ ذوقِ سکوں
خیال ہے مری ہستی کہ خواب ہے ساقی

○

سو طرح کی بُرائی ہوتی ہے
مُنہ سے نکلی پرائی ہوتی ہے
بات وہ کہہ کہ جس سے بات رہے
ورنہ یُوں جگ ہنسائی ہوتی ہے

⊙

تیرے دم سے نشاط تھی باقی

اب جہاں میں نہیں خوشی باقی

میرا سجدہ ابھی قبول نہیں

ہے کوئی شرطِ بندگی باقی

اے دلِ بدنصیب کیوں چپ ہے

رات ہے اور دو گھڑی باقی

○

کہاں کے دَیر و حَرم ترکِ ماسوا کر لے
خدا خدا سے غرض ہے خدا خدا کر لے

تو اعتبار کبھی اپنے آپ کا کر لے
قدم قدم کو چراغِ رہِ وفا کر لے

تری صدا کا نہ آیا اگر جواب تو کیا
تُو چلتے چلتے ابھی اور اِک صدا کر لے

رہِ نیاز میں ہے گم رہی کا اندیشہ
نظر کے سامنے ہر ایک نقشِ پا کر لے

اگر نہ ہو کوئی صورت تو اے خرابِ وفا
دلِ شکستہ کو آئینۂ وفا کر لے

سکوتِ طُور نہیں شانِ حسن کے شایاں
کسی کلیم کو آمادۂ ندا کر لے

ابھی تو ناؤ ہے گرداب سے پرے انورؔ
مرے بچاؤ کی تدبیر ناخدا کر لے

○

○

اے خوئے دوست! کتنا ستم آفریں ہوں میں

تیرا گِلہ گزار ابھی تک نہیں ہوں میں

مجھ کو لیا نہ گردشِ دوراں نے اپنے ساتھ

تم جس جگہ پہ چھوڑ گئے تھے وہیں ہوں میں

میرے لئے نہیں ہے کوئی سنگِ درِ عزیز

محسوس ہو رہا ہے مجھے بے جبیں ہوں میں

انور کسی کے لطف کو کہتا ہوں میں ستم

مجھ پہ یہ طعن ہے کہ بڑا بے یقیں ہوں میں

○

زشت یا خوب ہے نہ ہو دل گیر
ہے ترے رُو برو تری تصویر
آئینے پر نہ تھوک اے ناداں
آئینے کی ہے اس میں کیا تقصیر

○

اگر پردے اُٹھیں رنج و خوشی کے
کئی پہلو ہیں میری زندگی کے

قرینے جس میں ہوں خود مطلبی کے
نہیں قائل ہم ایسے آدمی کے

ترا ممنون ہوں اے چارہ فرما
ابھی کچھ دن تھے باقی زندگی کے

ہمیں کیا، کوئی راجا ہو کہ پرجا
گدا جب ہو چکے تیری گلی کے

ہماری تشنہ کامی کا نہ کر ذکر
کنارے دیکھ مینائے تہی کے

نہ مے نوشوں سے آنکھیں پھیر ساقی
کہ ساتھی ہیں تری نیکی بدی کے

جہاں درپیش ہو کوئی مصیبت
وہاں کھلتے ہیں جوہر آدمی کے

جنہیں اپنا رہا ہے سارا عالم
وہ قصّے ہیں ہماری عاشقی کے

تری محفل سے یُوں نِکلا ہے انورؔ
کہ جیسے مے کدے سے کوئی پی کے

○

وفائے رائیگاں کو بھول جاؤں
کسی نامہرباں کو بھول جاؤں

تمہاری یاد کا ہے یہ تقاضا
کہ میں سارے جہاں کو بھول جاؤں

بہاروں کا تقاضا ہے کہ انورؔ
جفائے باغباں کو بھول جاؤں

○

مدّعائے نیاز مل جائے
سوز کے ساتھ ساز مل جائے
تم اگر ایک لمحے کو آؤ
مجھ کو عمرِ دراز مل جائے

○

تہذیبِ آشیاں سے کہاں آگہی ملی
پیوست تنکے تنکے ہیں، اِک برہمی ملی

رونا بِلا کہ رونے کی خاطر ہنسی ملی
بدتر ہزار موت سے اِک زندگی ملی

جب اس کو میرے رنج میں تیری خوشی ملی
پھر نکتہ چیں کو تہ نہ کسی بات کی ملی

اے شمع، تیرے سوز میں کیا روشنی ملی
پروانہ جل بجھا تو نئی زندگی ملی

ہم جس طرف سے نکلے تمہاری گلی ملی
بچ کر کہاں نکلتے کوئی راہ بھی ملی

اے آنے والو، راحتِ ساحل تمہیں نصیب
کیا راستے میں ناؤ کوئی ڈوبتی ملی

در پردہ سوزِ غم کا تصرّف تھا جابجا
ہر دل میں ایک آگ سی گویا دبی ملی

دل ہو سکا نہ جلوۂ جاناں سے مطمئن
فرصت نہ کشمکش سے نظر کو کبھی ملی

دل پر محیط ہونے لگا شرک کا خیال
جب عقل کو نہ تہہ تری ذات کی ملی

بربادیوں سے میرا نشیمن نہ بچ سکا
ہر تنکے کے لباس میں بجلی چھپی ملی

خوابِ حرم میں بھول گئے ہم خیالِ دیر
انور کہاں پہنچ کے حدِ بندگی ملی

○

نہ تیرے ساتھ نہ تجھ سے جُدا رہا جائے
اس اضطرابِ محبت کو کیا کہا جائے

○

جہانِ تیرہ کو تنویر دے سکے کوئی
جوابِ ظلمتِ تنویر دے سکے کوئی
رہے گی خوئے محبّت دُعا بہ لب انورؔ
کہ میرے خواب کی تعبیر دے سکے کوئی

٥

جن سے کبھی تھا دیدۂ مشتاق بس گیا
اب اُن کے دیکھنے کے لئے جی ترس گیا

ہم رہ گئے کہ بجھتی ہوئی شمع دیکھ لیں
ایک ایک کر کے بزم سے ہر ذی نفس گیا

دل میں خیالِ دوست تھا آنکھوں میں حسنِ دوست
وہ عاشقی کا دور کہاں اے ہوس گیا

ہم سے ہوا نہ قطعِ سفر حسبِ مدّعا
بجلی چمک گئی کبھی بادل برس گیا

○

احوالِ عشق کرب و بلا تک پہنچ گیا
کام اہلِ دل کا صبر و رضا تک پہنچ گیا

ہر نالہ رفتہ رفتہ دُعا تک پہنچ گیا
بندے سے واسطہ تھا خدا تک پہنچ گیا

کچھ دل کے ہست و بُود کا چلنے لگا سراغ
جب خاک ہو کے راہِ وفا تک پہنچ گیا

ثابت شکستِ جام نہیں ہو سکی ابھی
لیکن ثبوت لغزشِ پا تک پہنچ گیا

اے کم نظر، نہ شمع کو دے تہمتِ ستم
پروانہ آپ اپنی قضا تک پہنچ گیا

ہم سیلِ غم میں دل کو بہت روکتے رہے،
لیکن وہ اپنی رَو میں فنا تک پہنچ گیا

آیا جو انقلاب نشیمن کو چھوڑ کر
ہر تنکا دوشِ موجِ ہوا تک پہنچ گیا

انورؔ جہانِ عشق میں برپا ہے انقلاب،
دامن کسی کا دستِ گدا تک پہنچ گیا

○

وہ عقدہ ہوں کہ جب پایا گیا ہوں

نہ اُلجھایا نہ سُلجھایا گیا ہوں

زمیں پر خُلد سے لایا گیا ہوں

میں اب سمجھا کہ بہکایا گیا ہوں

کسے الزام دوں اے ساتھ والو

کہ میں رستے سے بھٹکایا گیا ہوں

تبسم اشک میں بھیگا ہوا ہے

بڑی کوشش سے ہنسوایا گیا ہوں

مجھے شکوہ نہ ہو کیوں رہنما کا
کہ میں دانستہ لٹوایا گیا ہوں

وہاں کا حال ہے معلوم مجھ کو
کسی کی بزم میں آیا گیا ہوں

مری تردامنی کام آئی آخر
کسی کے رُوبرو لایا گیا ہوں

فسانے کی طرح بزمِ جہاں میں
میں صد ہا بار دہرایا گیا ہوں

چلو، یُونہی سہی اے بے مروّت
نہ تڑپا ہوں نہ تڑپایا گیا ہوں

کسی بے درد کی محفل سے اکثر

تسلّی دے کے اُٹھوایا گیا ہوں

مجھے ڈھونڈا گیا جس وقت انورؔ

کسی کی یاد میں پایا گیا ہوں

○

تم سُرورِ دل بھی ہو نغمۂ وفا بھی ہو

تم شگفتِ گل بھی ہو موجۂ صبا بھی ہو

مہر و ماہ و انجم ہو اس سے کچھ سوا بھی ہو

منتظر ہو تم شاید میں کہوں خدا بھی ہو

○

اس کی قسمت میں نہ کیوں نومیدیٔ ساحل رہے
ناخدا جس ناؤ کی تدبیر سے غافل رہے

جب نہ اہلِ گلستاں کی یاد کے قابل رہے
کیوں قفس میں نالۂ و فریاد پر مائل رہے

شوقِ منزل تھا، مگر بیگانۂ منزل رہے
ہم تو اپنے راستے میں آپ ہی حائل رہے

جب نہ اُس کے حال سے ہو شمعِ محفل آشنا،
کیوں نہ پھر تاریک پروانے کا مستقبل رہے

کیوں نہ ہو ذوقِ نگاہِ قیس آوارہ نصیب
تیری لیلائی اگر آسودۂ محمل رہے

جوہرِ پروانہ کھل سکتے نہیں اے کم نظر
شمع پر عائد اگر پابندیٔ محفل رہے

میری کشتی نذرِ طوفاں ہو مگر اے ناخدا
رہ سکے جب تک مرا رُخ جانبِ ساحل رہے

میں نہ تھا انورؔ اگرچہ طالبِ دادِ سخن
میرے دشمن میرے حسنِ طبع کے قائل رہے

دیر و حرم کو چھوڑ کے اہلِ نظر پھرے

کس کا خیال آیا انہیں وہ کدھر پھرے

پھرنے دے تیغِ ظلم اگر حلق پر پھرے

لیکن نہ اپنی بات سے ہرگز بشر پھرے

وہ عندلیبِ سوختہ ہوں جس کے رُو برُو

تنکا بھی آشیاں کا بہ رنگِ شرر پھرے

روکے تمام خلق مگر اے نگاہِ دوست

پھیریں گے ہم اُدھر ہی کو رُخ تو جدھر پھرے

رو کے اگرچہ تیری تسلّی نے اس کے اشک
لیکن نہ دن مریض کے لے چارہ گر پھرے

منصور کی طرح ہو زمانے میں سربلند
اپنی زباں سے تو نہ اگر دار پر پھرے

اے دل شعورِ درد کی تکمیل ہے ضرور
ایسا نہ ہو فلک سے دعا بے اثر پھرے

اے قصرِ دوست تجھ سے نکل کر نہ جا سکوں
آنکھوں میں دیر تک ترے دیوار و در پھرے

انورؔ ملا نہ چارہ گرِ بے کسی کوئی
برسوں اسی تلاش میں ہم در بدر پھرے

○

آپ عہدِ وفا کو بھول گئے
بندہ پرور! خدا کو بھول گئے

شوقِ پرواز میں چمن والے
ناموافق ہوا کو بھول گئے

وقت آیا تو میرے چارہ گر
میرے دکھ کی دوا کو بھول گئے

سجدۂ بے خودی میں اے کافر
ہم ترے نقشِ پا کو بھول گئے

یاد دلوائیں ہم، قصور معاف
تم کسی آشنا کو بھول گئے

شمع کی لَو لگی تو پروانے
ایسے چمکے، فنا کو بھول گئے

تفرقہ کیا پڑا کہ گلشن میں
ہم نوا، ہم نوا کو بھول گئے

یاد ہوگا تمہیں کہ تم اکثر
انورِؔ بے نوا کو بھول گئے

○

سوزِ غم سے پگھل رہا ہوں میں
نئے سانچے میں ڈھل رہا ہوں میں

میرا عالم نہ پوچھ اے ساقی!
گر رہا ہوں، سنبھل رہا ہوں میں

تجھ کو معلوم ہے مری منزل
تیرے ہمراہ چل رہا ہوں میں

آتشِ غم کو دی ہوا کس نے
آپ ہی آپ جل رہا ہوں میں

شامِ ہستی قریب ہے انورؔ
سائے کی طرح ڈھل رہا ہوں میں

○

دل کا اب حرف کیا حکایت کیا
تم سلامت رہو شکایت کیا

دل نے آخر ڈبو دیا ہم کو
کام آئی کوئی ہدایت کیا

ہم ہیں اِک نقشِ آرزو انور
ہم سے باقی ہے روایت کیا

○

یہ میرے عالمِ ہستی میں اہتمام ہے کیا
نمودِ صبح ہے کیا، تیرگیٔ شام ہے کیا
نشاطِ مرگِ محبّت، خیالِ خام ہے کیا
شکایتِ غمِ ہستی کا انتظام ہے کیا
سکوتِ بزم میں گنجائشِ کلام ہے کیا
مرا پیام یہی ہے مرا پیام ہے کیا

ہمارا دام میں کچھ اور آب و دانہ ہے
نہیں تو ہم کو بہار و خزاں سے کام ہے کیا

ابھی شریکِ محبّت نہیں نشاطِ الم
ابھی مذاقِ دل و دیدہ ناتمام ہے کیا

کہاں پہنچ کے پکاروں جہان والوں کو
ترے جہان میں اب تک مرا مقام ہے کیا

زمانہ جب کوئی تعبیر دے نہیں سکتا
تو پھر یہ خوابِ محبّت خیالِ خام ہے کیا

نہ مجھ سے دوریٔ منزل کا ذکر فرمائیے
مرا شریکِ سفر مجھ سے تیز گام ہے کیا

نہ کہئے ہم کو پیمبر مگر بتائے تو
ہمارے منصبِ شعر و سخن کا نام ہے کیا
نہ صبحِ وصل نہ شامِ فراق اے انورؔ
مرے جہاں میں یہ اندازِ صبح و شام ہے کیا

○

ہم اپنے حال سے رہتے ہیں بے خبر لوگو
ہمارے حال پہ رکھتے ہو کیوں نظر لوگو
ہماری خانہ خرابی کا تذکرہ نہ کرو
کہ ہم دلوں میں بناتے رہے ہیں گھر لوگو

○

کچھ بر ملا ہوا ہے دلِ سوزاں مرے لئے
ہستی ہے ایک کاوشِ پنہاں مرے لئے

کیا فکرِ اہتمام کہ اے شامِ بے کسی
فطرت کرے گی آپ چراغاں مرے لئے

اب حشر تک نہ پاؤ گے مجھ کو چلا ہوں میں
پھرتے رہو گے سر بہ گریباں مرے لئے

میں عصمتِ نگاہ کا دعویٰ نہ کر سکوں
ایسی تراش تہمتِ عصیاں مرے لئے

اک بار مسکرا کے وہ کافر یہ کہہ بھی دے
انورؔ، لٹا نہ دولتِ ایماں میرے لئے

○

غمِ حیات سے مرتا ہے آدمی اب تک
فنا کے گھاٹ اُترتا ہے آدمی اب تک
یہ دل کشی ہے کہ بے چارگی خدا جانے
اسی طرف سے گزرتا ہے آدمی اب تک

○

حشر کو ساتھ کیوں نہ لے آئے
تیرہ بختی کے مضمحل سائے
دل کا کچھ ایسا حال ہے انورؔ
جیسے کوئی چراغ بجھ جائے

○

کیوں نہ تنہا تو اے حیات آئی
موت کیوں تیرے سات سات آئی

ہم نے ڈھونڈا بہت جوانی کو
ایسی کھوئی کہ پھر نہ ہات آئی

میرے دل میں ہزار شکوے تھے
میرے لب پر نہ کوئی بات آئی

کوئی بچتا کہاں حوادث سے
گھات کے بعد ایک گھات آئی

کوئی حامی نہ تھا مگر انورؔ
میرے آڑے خدا کی ذات آئی

○

سُن چکے ہیں طورِ موسےٰ کا بہت افسانہ ہم
اب پکاریں کیا تجھے اے جلوۂ جانانہ ہم

ہوش میں آجائیں گے جب اے دلِ دیوانہ ہم
بزم میں بن جائیں گے عنوانِ صد افسانہ ہم

شکوۂ پیرِ مغاں کرتے ہیں آزادانہ ہم
میکدے میں ہیں شریکِ گردشِ پیمانہ ہم

ناخدا سے کیا کہیں اے ہمتِ مردانہ ہم
کیوں نہ کشتی ڈال دیں طوفاں میں بے باکانہ ہم

اہتمامِ بزم کی جانب توجّہ کیجیے
شمع روشن ہو تو پہنچیں صورتِ پروانہ ہم

کیجیے کب تک گوارا اہلِ کعبہ کا سکوت
بے محابا کھٹکھٹاتے ہیں درِ بت خانہ ہم

منحصر پرواز پر ہے آب و دانہ کی تلاش
گلستاں میں کیوں رہیں پابندِ آب و دانہ ہم

دل شکستہ ہی ہمیں اب آپ رہنے دیجیے
از سرِ نو کیا کریں تعمیرِ ماتم خانہ ہم

شمع خود بے نُور ہو جائے گی ہنگامِ سحر
کیا کریں گے امتحانِ جرأتِ پروانہ ہم
خاتمہ بالخیر تکلیفِ سماعت کیجئے
آج انور چھیڑتے ہیں آخری افسانہ ہم

○

کیا عنایت وفا نے کر دی ہے
میرے دامن میں خاک بھر دی ہے
پھُول مُرجھائے وقت سے پہلے
اے صبا! تُو نے کیا خبر دی ہے
گرم و سردِ وفا نہ پُوچھ انورؔ
سوزِ دل اور چشم تر دی ہے

○

نہ آبلوں کی شکایت نہ رنجِ خار رہے

قدم قدم کا سرِ راہ کیوں شمار رہے

میں آشیاں میں رہوں باغ میں بہار رہے

خدا کرے مرا ماحول سازگار رہے

خزاں رہے کہ یہاں مہماں بہار رہے

چمن میں ذوقِ تماشا نہ شرمسار رہے

ضیا نصیب نہ پھر کیوں ہو خاکِ پروانہ

جو شمعِ بزم کا پرتو شریکِ کار رہے

خدا کرے کہ تمنّائے ناخدا کے بغیر

ہماری ناؤ کو طوفان سازگار رہے

ابھی تمام نہیں ذوقِ نغمۂ بلبل

ابھی سکوتِ چمن حشر در کنار رہے

قفس میں اہلِ قفس کا ہو کیا گلہ انور

کہ ہم تو اہلِ چمن کو بھی ناگوار رہے

○

میں نے دیکھا ہے تیرے دامن کو،

کچھ مری دسترس سے دور نہیں

○

مجھے اذنِ تکلّم دیجئے گا
خرابِ کوششِ گفتار ہوں میں

مری حیرت کا عالم، اللہ اللہ
کہ جیسے نقش بر دیوار ہوں میں

مجھے اپنا بنا لے بے مروّت
شریکِ حسرتِ اغیار ہوں میں

O

اے دلِ خموش کیوں ہے کسی کو پکار بھی
آنکھوں میں کٹ نہ جائے شبِ انتظار بھی

تم جا چکے تو بعد میں آتا رہا خیال
تم ساتھ لے گئے مرے دل کا قرار بھی

وہ لوگ جن کو عشق نے انور کیا خراب
اب ہو رہا ہے ان میں ہمارا شمار بھی

O

مرے رونے سے حاصل جب سکونِ دل نہیں ملتا
مزاج آب سے اے دل مزاجِ گل نہیں ملتا

سفینے کو بڑھا لیں کس قرینے سے سلیقے سے
یونہی بہتے ہوئے اے ناخدا ساحل نہیں ملتا

نمایاں ہو رہا ہے عشق کا یہ کون سا پہلو
نشانِ درد ملتا ہے نشانِ دل نہیں ملتا

ہمارے بعد شاید مٹ گئی تحریکِ آزادی
چمن میں اب کوئی فریاد پر مائل نہیں ملتا

مرا نقاد ہے بے بہرۂ رازِ وفا انورؔ
مرے ہر اشک میں کیا ارتقائے دل نہیں ملتا

○

جیب و داماں کا تقاضا اے جنوں برحق سہی
فیصلہ تو ہو کہ ہنگامہ کہاں پیدا کریں

○

ابھی روشن چراغِ انجمن ہے

ابھی پروانہ داغِ انجمن ہے

اسے افسانہ خوانِ سحر تو اٹھ اب

ترے دم سے سراغِ انجمن ہے

میسّر خلوتِ بے رنج کیا ہو

کہ دل ہے اور داغِ انجمن ہے

طبیعت بجھ گئی اے مہرِ انور

سیہ بختی فراغِ انجمن ہے

○

سمجھ سکے نہ جسے چارہ گر وہ بات کریں
تمہارے درد سے ہم دل کو خوش صفات کریں

یہ ایک تہمتِ تازہ ہے مے پرستوں پر
کہ مے کدے میں وہ اندیشۂ نجات کریں

تو اے حیات! ہمیں اتنی سازگار نہیں
کہ تیرے واسطے ہم خواہشِ ثبات کریں

ہر اک کا بزم میں مونہہ تک رہے ہیں ہم انورؔ
ترس رہی ہے زباں کس سے دل کی بات کریں

○

نہیں بے رنج در پردہ خوشی بھی
تماشا ہے ہماری زندگی بھی

لگے ہاتھوں گریباں چاک کر لیں
سکت کب تک اگر باقی رہی بھی

تمہاری دوستی کی آرزو تھی
نہ راس آئی تمہاری دوستی بھی

خدا کی شان کے قربان انور
خدا بن جائے گا کیا آدمی بھی

○

لے تیرے آستاں سے چلے نامراد ہم
پائیں گے اب کہاں غمِ الفت کی داد ہم

تو بھول جا کہ ہم سے کبھی واسطہ بھی تھا
کچھ واقعات تجھ کو دلائیں گے یاد ہم

ہر چند دل حریفِ غمِ عاشقی نہ تھا
اپنی طرف سے کرتے رہے اجتہاد ہم

غم اعتبارِ ذوقِ وفا کی دلیل ہے
انورؔ کسی کے غم میں رہیں کیوں نہ شاد ہم

○

اے خدشۂ مآل، مری زندگی ہے کیا
کچھ وہم، کچھ خیال، مری زندگی ہے کیا

اک منزلِ فریب، نہ رہبر نہ راہزن
اک نقشِ پائمال، مری زندگی ہے کیا

اُمید تشنہ کام، تمنائے بے سرور
ساغر ذرا سنبھال، مری زندگی ہے کیا

ہر گام پر شکستِ تمنّا کے باوجود
چلتا ہوں ایک چال، مری زندگی ہے کیا

تیرہ نصیب، تیرہ وفا، تیرہ روزگار
اے صاحبِ جمال مری زندگی ہے کیا

اِک عمر سے ہُوں حلقۂ احباب میں شریک
اب تک ہے قیل و قال، مری زندگی ہے کیا

جینے دے بے نیازِ غمِ دو جہاں مجھے
اس وہم میں نہ ڈال، مری زندگی ہے کیا

انورؔ کسی جواب کا یارا نہیں مجھے
مجھ سے نہ کر سوال، مری زندگی ہے کیا

○

دل کو کیا خاک کر گئے ہیں ہم

چشمِ عالم میں بھر گئے ہیں ہم

آپ سے اب گزر گئے ہیں ہم

کوئی ڈھونڈے کدھر گئے ہیں ہم

لاتی تھی خواہشِ نمود کہاں

مثلِ برق و شرر گئے ہیں ہم

چوٹ ایسی پڑی ترے غم کی

نقش بن کر اُبھر گئے ہیں ہم

ہائے بداعتمادیٔ دوراں
اپنے سائے سے ڈر گئے ہیں ہم
کوئی پہنچا نہ داد کو انورؔ
شکوہ سنجِ ہنر گئے ہیں ہم

○

اگر کچھ مصلحت بیں لوگ اب آپس میں کھُل جائیں
ہمارے خون کے دھبّے ترے دامن سے دھل جائیں
نہ کوئی گل کھلائے پھر جہانِ عشق میں انوؔر
ہمارے پاؤں کے چھالے اگر کانٹوں میں تُل جائیں

○

گلہ کیا کروں تہمتِ زندگی کا

کہ یہ بھی تو احسان ہے آپ ہی کا

اُڑے خاکِ پروانہ اے شمعِ محفل

اگر رُخ نہ بدلے تری روشنی کا

زمانے کا شکوہ نہ کر رونے والے

زمانہ نہیں ساتھ دیتا کسی کا

فراموش گارِ دو عالم ہوں انورؔ

نتیجہ ہوا کیا غمِ آگہی کا

○

جب کسی کی یاد سے محدود ہو جاتے ہیں ہم
آپ اپنی منزلِ مقصود ہو جاتے ہیں ہم

اِک جہاں تعمیر ہوتا ہے ہماری خاک سے
جانے کس کس شکل میں نابود ہو جاتے ہیں ہم

○

شام کو بیٹھے اور رات ڈھلی

بزم میں جب تمہاری بات چلی

ہم نہیں ہیں کسی سے داد طلب

ہم نے چہرے پہ آپ خاک ملی

کوئی دامن نہ آسکا آڑے

زندگانی سلگ سلگ کے جلی

اِک فسانہ ہے زندگی انورؔ

کوئی عنوان دے خفی کہ جلی

○

بہار آئی مگر رنگِ جنوں کھلنے نہیں پایا
کسی کی کوتہ دستی سے گریبانوں پہ کیا گزری
زمانہ ہنس رہا ہے تم نہ چھیڑو اس حکایت کو
کوئی دیوانہ سمجھے گا کہ دیوانوں پہ کیا گزری

○

تو نہیں اب کہ اضطراب نہیں

اور کیا اے دلِ خراب نہیں

تجھے کب سے پکارتا ہوں میں

کیا تجھے فرصتِ جواب نہیں

اور کیا ہوگی خوبیٔ تقدیر

کوئی تدبیر کامیاب نہیں

میں ہی ناقابلِ محبت ہوں

تیری جانب سے اجتناب نہیں

○

میں نہیں ہوں مطمئن اندازِ صبح و شام سے
کوئی پہلو اور نکلے گردشِ ایام سے

غم بہ اندازِ تمنّا اور تمنّا بے محل
زندگی کیونکر ہو آسودہ خیالِ خام سے

ضبطِ غم تمہیدِ نالہ تو نہیں اے بے کسی
عشق کی توقیر کم ہو جائے گی الزام سے

○

کانٹے بھی تم کو ذوقِ تماشا کی داد دیں

اِس طرح رنگِ لالہ وگل کو نکھارنا

عہدِ خزاں میں پھول فراہم کہاں سے ہوں

فصلِ بہار آئے تو دامن پسارنا

○

کیا مجبور ہم کو احترامِ عشق نے آخر

کہ ہم اِس کے ستم کو بھی نہ اب اپنا ستم سمجھیں

ہمارے ظرف کا کیا ہو سکے ساقی کو اندازہ

زیادہ سے زیادہ آئے اور ہم کم سے کم سمجھیں

○

کیوں اضطراب کشمکشِ پردہ در میں ہے
دل میں ہے تیرا تیرِ نظر یا جگر میں ہے

اے اعتبارِ جلوۂ جاناں، ترے نثار
لیکن تمام حسن فریبِ نظر میں ہے

آدابِ زندگی کو بدل اے گلہ گزار
گنجائشِ نشاطِ غمِ معتبر میں ہے

اب اندمالِ زخم کی حسرت ہے در گزر
تیرے خلافِ زہرِ دلِ چارہ گر میں ہے

ذکرِ بہار، فکرِ خزاں رنجِ بے کسی

ترتیبِ آشیاں کا تقاضا نظر میں ہے

○

مرے نصیب کا دن میکدے کی رات نہیں

مجھے غلط نہ سمجھ اور کوئی بات نہیں

میں تیرے لطف کا سائل نہیں ہوں اے ساقی

کہ تیرے پاس علاجِ غمِ حیات نہیں

○

سمجھ سکا نہ محبت کے فیضِ عام کو تو
نہ تیرے دل میں حرارت نہ آنکھ میں آنسو
نہ آدمی کا لہو دے اسے خدا کے لئے
زمیں کو راس نہ آئے گا آدمی کا لہو

○

تیرے غم سے کیوں رہے پہلو تہی
دل کا جو انجام ہے معلوم ہے

○

جب تمہارا کرم نہیں ہوتا
کوئی پرسانِ غم نہیں ہوتا
سر جدھر اپنا خم نہیں ہوتا
تیرا نقشِ قدم نہیں ہوتا
شمع کی لو تو بڑھتی جاتی ہے
ذوقِ پروانہ کم نہیں ہوتا
ہائے وہ لمحہ ہائے وہ ساعت
جب شعورِ الم نہیں ہوتا

○

قفس کا اور نشیمن کا اعتبار نہیں
بہار آئے گی سو بار ، ایک بار نہیں

بدل رہے ہیں غمِ آشیاں کو ہم تنہا ،
چمن میں کوئی ہمارا شریکِ کار نہیں

میں جانتا ہوں ترے غم کی مصلحت لیکن
کبھی کبھی کی مسرّت بھی سازگار نہیں

غمِ حیات کی تکمیل اِک جنوں ہی سہی
خرد کا تجزیہ آشوبِ روزگار نہیں

مرے سپرد نگہبانیٔ چمن کر دے
تری نظر میں اگر گل حریفِ خار نہیں

کہاں بہار، کہاں رنج بال و پر انورؔ
مگر تصورِ گلشن پر اختیار نہیں

O

عقل کی انتہا نہ پوچھ انورؔ
کوئی دیوانہ ہو گیا آخر

○

ساتھ کیا دے گا زندگانی کا
آسرا مرگِ ناگہانی کا
رنگِ محفل بدلتا جاتا ہے
رُخ بدل دو مری کہانی کا

○

اتنے افسانے پھر کہاں چھڑتے
بزم آرا اگر نہ تُو ہوتا
پردہ اُٹھتا نہ چشمِ عالم سے
آشکارا اگر نہ تُو ہوتا

○

تعمیرِ آشیاں کی ہوس بھی نہیں رہی

حسرت شریکِ اہلِ قفس بھی نہیں رہی

ہر زہر خوشگوار غمِ زندگی میں تھا

اب دل کو زندگی کی ہوس بھی نہیں رہی

ہنگامۂ بہار کہاں، بال و پر کہاں

اب تو نشاطِ کنجِ قفس بھی نہیں رہی

اُمیدِ زندگی نے یُونہی دم دیا ہمیں

اے دل حریفِ یک دو نفس بھی نہیں رہی

ہم اہلِ کارواں سے کچھ ایسے بچھڑ گئے
کوسوں کہیں صدائے جرس بھی نہیں رہی

تیرے لئے دلوں کو سکوں بھی نہیں محال
تیرے لئے نگاہ ترس بھی نہیں رہی

کتنی ستم ظریف ہے ساقی کی بے رُخی
ایسی گھٹا اُٹھی کہ برس بھی نہیں رہی

اُجڑی نہیں اگرچہ محبت کی کائنات
لیکن میرے خیال میں بس بھی نہیں رہی

انور نفس نفس میں اُترتا ہے زہر کیوں
کوئی اُمیدِ زیست کو ڈس بھی نہیں رہی

○

اب زباں پہ سبُو سبُو ہی نہیں
بزم میں شور ہاؤ ہُو ہی نہیں
اے فسردہ دلی ، معاذ اللہ
جیسے پھولوں میں رنگ و بُو ہی نہیں
خونِ اُمید ہو چکا کب کا
اور دل ہے کہ سرخرو ہی نہیں
اے فلک تُو بلند تر ہی سہی
خاک میں خواہشِ نمو ہی نہیں

اب نہ روئیں فراق میں آنکھیں
اب تو کچھ ان کی آبرو ہی نہیں
ہم کبھی تھے خطاب کے لائق
ہم سے اب کوئی گفتگو ہی نہیں
اپنے دامن کو دیکھ اے انورؔ
اس میں گنجائشِ رفو ہی نہیں

○

○

لب پہ کیوں تیرا نام آتا ہے

وقت پر کون کام آتا ہے

ہم سے تشنہ لبوں کی صحبت میں

کس لئے ذکرِ جام آتا ہے

ہاں، ترے درد کو خدا رکھے

اِک یہی دل کے کام آتا ہے

○

آج پھر شمع ہو گئی روشن

کتنے پروانے کل جلے ہوں گے

اے صبا یہ فسردہ پھول کبھی

تیری آغوش میں پلے ہوں گے

○

تلخیٔ یاد کے احساس کو برہم نہ کیا،

ہم نے بچھڑے ہوئے احباب کا ماتم نہ کیا

○

اپنی نظر سمجھ کے تمہاری نظر کو میں
تکمیل دے رہا ہوں جنوں کے اثر کو میں

اب کیا گلہ گردشِ ستمِ روزگار کا
پاتا ہوں اپنی سمت تمہاری نظر کو میں

ٹھہری رہے گی بات ترے التفات پر
ہاں، جانتا ہوں گردشِ شام و سحر کو میں

میرے جنونِ سجدہ کا انجام ہو بخیر
کعبہ بنا رہا ہوں ترے سنگِ در کو میں

ساحل بھی ناگزیر تلاطم بھی ناگزیر
رُخ پھیر دوں سفینے کا یارب کدھر کو میں

میرے بغیرِ صبحِ گلستاں اُداس ہے
بھولا نہیں ہنوز غمِ بال و پر کو میں

دل میں اُمید کی دُھائی تھی
درد کی دُور تک رسائی تھی

موت آئی کہ موت پائی تھی
زندگی تیری رونمائی تھی

لَے مغنّی نے کیا سنائی تھی
دُھن ہمیں اور ہی سمائی تھی

ڈوبنا تھا سو ناؤ ڈوب گئی
کیا کہیں کس کی ناخدائی تھی

قتلِ انور کا تذکرہ کیا،
بات یُونہی سُنی سُنائی تھی

⊙

زباں بند رہے دل کی گفتگو نہ کرو
تم آپ اپنی محبّت میں جُستجو نہ کرو
پکارتا ہے تمہیں خاکِ آدمی کا وقار
تم آدمی ہو خُدائی کی آرزو نہ کرو

○

فصلِ گُل آگئی ہے اے ناصح
جیب و داماں کی احتیاط گئی

○

دستِ جنوں اُڑائے گا دامن کی دھجیاں
اب مِل گیا ہے اس کو سہارا بہار کا

○

تمہیں بام پر ڈھونڈنے کو اُٹھی تھیں
پلٹ آئیں نظریں بدستور ہو کر

یاد ہاں اس قدر نہ یاد آئے
کوئی ہر بات پر نہ یاد آئے

اب گلہ کیا شکستہ پائی کا
اب کوئی ہم سفر نہ یاد آئے

جس کی قسمت مرا نشیمن تھا
اب وہ شاخِ شجر نہ یاد آئے

اے مرے عیب ڈھونڈنے والے
تجھ کو میرے ہنر نہ یاد آئے

یاد آتا ہے کوئی اے انورؔ
کیوں بشر کو بشر نہ یاد آئے

○

اے اہلِ بزم، شاید یہ بات کچھ نئی ہے
پروانہ جل رہا ہے اور شمع بجھ گئی ہے

بے سبب بے کلی کو کہتے ہیں
اور کیا عاشقی کو کہتے ہیں

اہلِ دُنیا خدا شناس ہیں یہاں
جانے کس آدمی کو کہتے ہیں

ہم تو چُپ ہیں کہ جو ہوا سو ہوا
لوگ اب کچھ تمہی کو کہتے ہیں

کیوں بُرا کہہ رہے ہیں لوگ انور
ہم بھلا کیا کسی کو کہتے ہیں ۹

○

دلِ کا مقدور ہوا جاتا ہے
زخم ناسُور ہوا جاتا ہے
دامنِ عشق ہے خالی خالی
حسن بھرپُور ہوا جاتا ہے
عام ہے دار و رسن کا چرچا
کون منصُور ہوا جاتا ہے
ایک قاتل کا سُنا ہے انورؔ
ہاتھ بھرپُور ہوا جاتا ہے

○

اے جنوں کون نمایاں ہو گا
جیب ہو گی نہ گریباں ہو گا

تجھ سے کیا چارہ گری کی امّید
وقت خود درد کا درماں ہو گا

ہو چکا وہ تو عدو کا دم ساز
تیرا کیا اے دلِ ناداں ہو گا

منتظر بیٹھے ہیں اہلِ محفل
آج انور نہ غزل خواں ہو گا

○

تیری محفل میں اگر بیٹھے ہیں

حشر اٹھا ہے جدھر بیٹھے ہیں

خونِ ناحق سے مکر بیٹھے ہیں

ان کی حامی کئی بھر بیٹھے ہیں

اے نظر پھیر کے اُٹھنے والے

ہم بہ اندازِ سفر بیٹھے ہیں

اے تصوّر، ترے صدقے جاؤں

وہ مرے پیشِ نظر بیٹھے ہیں

کھُل گیا ابر برس کر انوؔر

ہم ابھی خاک بسر بیٹھے ہیں

○

ہمیں سے موج و دریا کی حکایت پوچھنے والو،

ہمارے ساتھ والوں میں سے کچھ اس پار بیٹھے ہیں

○

فریبِ جلوہ برنگِ شعور ٹوٹ گیا
کہ اعتبارِ نظر دُور دُور ٹوٹ گیا

تمہارے دامنِ رنگیں کی آرزو تھی جسے
وہ دستِ شوق یونہی بے قصور ٹوٹ گیا

نگاہِ شوق نے باندھا کچھ اس طرح تانتا
ترے حجاب کا اکثر غرور ٹوٹ گیا

تری نگاہ نے جس سے نہ التفات کیا
وہ جام ہاتھ سے گر کر ضرور ٹوٹ گیا

اُدھر سے پرسشِ غم اور ادھر سے شکرِ جفا
وہ سلسلہ ہی دلِ ناصبور ٹُوٹ گیا

وفا کا رشتۂ نازک بہ احتیاط غلط
حضور ٹوٹ نہ جائے، حضور! ٹوٹ گیا

کسی کلیم کے پیشِ نظر ہے پھر انور
وہی طلسم کہ بالائے طُور ٹوٹ گیا

○

○

حسرتِ پروانہ کیا ہے کیا نہیں
شمعِ محفل نے ابھی سمجھا نہیں

مرگ و ہستی، کاہشِ بے جا نہیں
کیا قیامت ہے کہ اب برپا نہیں

سوگوارِ حال ہوں میں یا نہیں
تیرے لب پر وعدۂ فردا نہیں

اے قفس والو، نویدِ فصلِ نو
تم نے کیا سوئے چمن دیکھا نہیں

○

گو ہم رہے تلاشِ حقیقت میں عمر بھر
لیکن حدِ مجاز سے باہر نہ آسکے

احسانِ مرگ ہم سے نہ اُٹھے گا زیرِ خاک
اے آسماں دبا ہمیں جتنا دبا سکے

کیوں خاکِ گور ہم کو دباتی ہے بعدِ مرگ
ہم جیتے جی نہ بار کسی کا اُٹھا سکے

اس طرح بحرِ زیست میں رہ صرفِ کشمکش
محفوظ تیری ناؤ کنارے تک آسکے

انورؔ، مذاقِ نغمہ نہیں قابلِ قبول
بلبل نہ زیرِ دام اگر چہچہا سکے

○

یاس غم میں ہے بے محل اے دل

ہو نہ شرمندۂ اجل اے دل

آج کی بات آج ہو جائے

جانے کیا پیش آئے کل اے دل

اہلِ دُنیا خدا شناس نہیں

چل کہیں اِن سے دُور چل اے دل

پیچ در پیچ ہے رہِ ہستی

جس طرف بن پڑے نکل اے دل

تجھ سے انورؔ نہ ہو کہیں بیزار

دو گھڑی کے لئے بہل اے دل

○

لب کھول یہی کلیدِ مطلب ہوگا

ہر نالہ ترے مُفیدِ مطلب ہوگا

خاموش نہ رہ کہ اے خرابِ تقدیر

دل پہلو میں نااُمیدِ مطلب ہوگا

○

فریبِ لطف نہ دے اے نگاہِ یار مجھے
کہ آپ اپنی حقیقت ہے ناگوار مجھے

تجھے ہے فرصتِ نظارۂ گل و لالہ
غمِ قفس، غمِ گلشن، غمِ بہار مجھے

نہ مسکرا مری شامِ خزاں سے ناواقف
یہیں ملے گی کبھی صبحِ نوبہار مجھے

مرا وجود ہے گویا نمودِ شمعِ سحر
شکستِ بزم کا کیوں ہو نہ انتظار مجھے

یہ سوزِ عشق، یہ ذوقِ وفا، یہ خوش ظرفی
الٰہی فطرتِ پروانہ ایک بار مجھے

نہ آرزوئے نشیمن نہ رنجِ دام و قفس
بہار اب ہے ہر اک رنگ میں بہار مجھے

میں گم ہوا ہوں سرِ منزلِ خودی انورؔ
زمانہ کیوں نہ پکارے گا بار بار مجھے

○

○

کبھی قفس میں کبھی آشیاں میں گزری ہے
ہماری عمر یونہی گلستاں میں گزری ہے

زباں پہ آتے تو رک جائے گردشِ دوراں
وہ بات آج ہمارے گماں میں گزری ہے

فلک نوازِ تجلی، ستارہ سازِ ضیاء
مری جبیں سے ترے آستاں میں گزری ہے

ہماری خاک برائے محاکمہ آخر،
کسی کی خدمتِ عالی نشاں میں گزری

شکستہ پائیٔ انورؔ کی داستانِ ضعیف
نظر سے گردِ پسِ کارواں میں گزری ہے

آدمی گوش بر آواز ہے اتنا کہہ دے
فاصلہ اور نہ اب دیر و حرم میں ہوگا

○

خود کو گنوا گئے کہ خدائی کو پا گئے
تیری گلی سے اُٹھ کے ترے بے نوا گئے

جانے کدھر کو لے کے چلا تھا غمِ وفا
ہم مرکزِ حیات کے نزدیک آ گئے

ہر زخمِ دل نے ان کے تغافل کی داد دی
وہ مسکرا کے عمرِ تمنّا بڑھا گئے

کچھ خونِ بے گناہ کے چھینٹے اُڑے تو تھے
لیکن تم احتیاط سے دامن بچا گئے

انورؔ جو میرے ذوقِ سفر سے تھے بے خبر
وہ لوگ میری راہ میں کانٹے بچھا گئے

○

غازۂ سنگ

(لطیف انور کا دوسرا مجموعۂ کلام)

انسان کے پہلو میں دل زندگی کا آئینہ بھی ہے اور غمِ زندگی کا آئینہ دار بھی! زندگی مسرت کی تلاش میں نہ جانے کب سے سرگرداں ہے، اور نہ جانے نغمے اور نوحے اس کی راہ میں کب تک حائل رہیں گے۔ لطیف انور کی شاعری صدیوں سے انسانی ذہن کو پریشان رکھنے والے اِن سوالوں کا تجزیہ اور اس کا ہر شعر ہمہ گیر محبت کے آئین کی تشکیل کا تقاضا ہے وہ انسان کی سنگ دلی کا شاکی ہے، لیکن اس کے باوجود اپنے فنکارانہ وجدان کے ذریعہ سے "غازۂ سنگ" میں مصروف ہے۔ کیوں اور کس طرح ؟ اِس کا جواب "غازۂ سنگ" کا مطالعہ دے گا۔

○